ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

فارسی شاعری میں تغزل کی روایت

(بحوالہ بو علی، سعدی، خسرو، رومی)

Tradition of Thaghazul in Persian Poetry

(In Reference of Bu Ali, Sadi, Khurso, Rumi)

*ڈاکٹر زاہدہ فاضل، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف جھنگ، جھنگ
**ڈاکٹر وقار سلیم رانا، ڈیپارٹمنٹ آف سکول ایجوکیشن، سمن آباد، فیصل آباد
***ڈاکٹر محمد امجد عابد آیسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

**Dr. Zahida Fazil

Assistant Prof. Department of Urdu, University of Jhang, Jhang

**Dr. Waqar Saleem Rana

Department of School Education, Samanabad, Faisalabad

**Dr. Muhammad Amjad Abid

Associate Professor, Department of Urdu, University of Education, Lahore

Abstract:

Poetry is the expression of emotions and feelings, in which the quality of ghazal enhances its beauty. The Persian language is often called the sweet language. In Persian poetry, the charm of the ghazal enhances its beauty so much that it elevates the popularity of poetry to its peak. This rise is one that is unfamiliar with the fall, immortalizing the genre of ghazal. This paper sheds light on the tradition of ghazal through the words of classical Persian poets, which have opened the doors to new possibilities in poetry. It has also been observed that Urdu poets greatly admire Persian poetry, particularly in the chapter of Ghazal. This highlights the importance of Persian poetry and strengthens the tradition of its influence on Urdu Ghazal.

Keywords: Persian language and literature, Ghazal, poetry, Tradition, Bu Ali, Sadi Shirazi, Ameer Khusro, Jalaluddin Rumi, love, Terminology, Mystical, Ethical subjects

کلیدی الفاظ: فارسی زبان وادب، غزل، شاعری، روایت، بو علی، سعدی شیرزی، امیر خسرو، جلال الدین رومی، محبت، اصطلاح، صوفیانہ، اخلاقی مضامین

فارسی زبان وادب کی ایک طویل تاریخ ہے۔ زمانہ قدیم سے فارسی ادب اپنے اندر مختلف تہذیبی و ثقافتی عناصر کو سمیٹے اور انسانی معاشرتی کیفیات سے رگڑ کھاتے موجودہ دور میں داخل ہوا ہے۔ اس ادب میں جہاں اپنے مخصوص علاقے اور لوگوں کی تاریخ ملتی ہے وہیں انسانی سرگرمیوں کی ایک پوری داستان بھی اس کے دامن میں نظر آجاتی ہے۔ شعر و شاعری جس کا تعلق ہے ہی انسانی محسوسات سے دیگر اصنافِ ادب کی نسبت ہے اس میں انسان کی داخلی کیفیات کا مصالحہ زیادہ مل جاتا ہے۔ اس

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

مختصر تحقیقی مقالے میں فارسی شعری ادب میں تغزل کی روایت کے حوالے سے بات کی جائے گی نیز یہ بھی پرکھا جائے گا کہ آیا تغزل کیا صرف غزلیہ شاعری کا خاصہ ہے یا اس کا رنگ دیگر اصنافِ شعری میں بھی پایا جا سکتا ہے۔ فارسی ادب بہت قدیم ہے اور اس میں بے شمار قد آور شعرا گزرے ہیں۔ جو نہ صرف اپنے زمانے میں مشہور تھے بل کہ ابھی تک وہ اپنے زندہ کلام کی وجہ سے فارسی کے زیرِ اثر علاقوں کے ساتھ ساتھ مغربی دنیا میں بھی ایک مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔ فارسی غزل جس نے اردو غزل کے نقوش میں رنگ بھرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے اپنی چاشنی اور پُر لطف مضامین کی وجہ سے ہر زمانے میں ایک مقبول اور پسندیدہ صنف رہی ہے۔ اس مقالے میں بھی تغزل کی روایت کے حوالے سے منتخب فارسی شاعری خصوصاً غزل کا جائزہ لیا جائے گا۔

بہت ابتدائی فارسی شعرا کے حوالے سے یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے کلام میں تغزل اور غزل کی کیا صورت رہی ہو گی۔ پہلے تو غزل قصیدے کا حصہ تھی۔ رودکی کی شاعری میں تشبب کی صورت میں غزل کے آثار ملتے ہیں۔ غزنوی دور میں بھی غزل تشبب ہی کی صورت میں سفر کرتی ہے۔ یعنی اس میں وہ تمام خصائص موجود ہیں جو غزل کے ہوتے ہیں مگر ایک الگ صنف کے طور پر غزل اس دور میں بھی وجود میں نہیں آئی۔ سلجوقی دور میں انوری، ظہیر فاریابی اور خاقانی کے ہاں غزلیں موجود ہیں جن میں ایسے تمام آثار موجود ہیں جن کی وجہ سے ہم ان کے کلام کو تغزل آمیز کہہ سکتے ہیں۔ ایلخانی دور میں عطار، رومی اور سعدی جیسے باکمال لوگ ملتے ہیں۔ اور در حقیقت ان ہی کی وجہ سے غزل کو کمال حاصل ہوا۔ ان شعرا کے ہاں سوز و گداز، عشقیہ واردات، سراپا، وغیرہ تغزل کو جنم دے کر ایک خوب صورت تاثیر پیدا کرتے ہیں۔ مولانا روم نے تصوف کے رنگ کو تغزل کے لبادے میں اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کے دل کی تمام تر داخلی کیفیت عیاں ہو جاتی ہے۔ ان کی غزلیات میں احساسات، کیفیات، اور جذبات کا ایک طوفان ہے۔ آپ کے جنونِ عشق کے لیے غزل ہی مناسب صنف تھی۔ تیموری اور صفوی دور میں شاعرانہ تغزل یعنی غزل ایک زرخیز دور میں داخل ہوئی۔ وارداتِ قلب کے ساتھ ساتھ تازہ گوئی کی رسم بھی یہاں سے غزل میں شروع ہوئی۔ سبکِ ہندی کے آثار کا یہی دور ہے۔ برصغیر میں امیر خسرو، سید بو علی قلندر، بیدل، غالب اور اقبال کا نام فارسی غزلیہ شاعری کے حوالے سے ہمیشہ زندہ و جاوید رہے گا۔

فارسی ادب میں تغزل کی روایت کے حوالے سے پہلے سے کچھ تنقید نگاروں کے ہے بحث موجود ہے۔ چوں کہ یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ جب بھی شاعری کی خصوصیات کا ذکر ہو گا اسے ہر صورت میں بیان کیا جائے گا۔ غزل اپنی پسندیدگی کی وجہ سے ہمیشہ زیرِ موضوع رہی ہے۔ اور اس کی پسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے اندر انسانی وارداتِ عشق اور جذبات کی تپش رکھتی ہے اس لیے فطری طور پر اس کے فکری و فنی خصوصیات پر زیادہ بولا اور لکھا گیا۔ مقالے میں منتخب چار فارسی شعرا جن کا تعلق ایران اور ہندوستان سے ہے، پر موجود درج ذیل تنقیدی کتب موجود ہیں۔

"ادب نامہء ایران" از مرزا مقبول بیگ
"ایرانی ادب" از مرزا مقبول بیگ بدخشانی
"فارسی کی مختصر ترین تاریخ" از ڈاکٹر رضازادہ شفیق، ڈاکٹر صدیق شبلی
"امیر خسرو احوال و آثار" از ڈاکٹر نور الحسن انصاری، کوہ نور پریس دہلی ۱۹۷۵ء
"دیوانِ شمس" از رومی
دیوانِ بو علی مع ترجمہ مرتبہ ڈاکٹر صدیق خان شبلی کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۵ء

تغزل کیا ایک حقیقت ہے یا محض لفظوں کی بازی گری؟ کیا یہ کوئی دکھنے والی چیز ہے یا اسے محسوس کیا جاتا ہے۔ شاعری میں تغزل کن معنوں میں آتا ہے؟ ماہرین نے اپنے اپنے طور پر تغزل کے حوالے سے بات کی ہے۔ ماہرین کی رائے میں موافقت ہو یا کچھ اختلاف، مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ تغزل شاعری کا وہ حسن ہے جو انسان کی حسیات کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور پڑھنے یا سننے والے کو ایک سرمستی دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تغزل کا وجود شاعری کے اندر موجود ہے اور اسے محسوس بھی کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور اس حوالے سے کہتے ہیں۔

> ''تغزل (Lyrical) ایک شعری اصطلاح ہے۔ تغزل اس کیفیت کا نام ہے جو شاعری میں لطف و اثر اور حسن و درد پیدا کرتی ہے۔ تغزل کی اصطلاح خالصتاً مشرقی ہے، لیکن اس کے خدوخال کی تلاش مغربی۔ غزل کے وہ باطنی محاسن جو پڑھنے والے کی طبع میں ایک وجد آفریں کیفیت پیدا کرتے ہیں اور وہ جھوم جھوم جاتا ہے، ان کی شناخت ایک لحاظ سے مشکل ہے۔ اسلوبِ بیاں، لب و لہجہ، پیرایۂ غزل، خیال انگیزی، غنائی کیفیت، بلاغت کا حسن اور تنظیمی جمال وہ عناصر ہیں جو غزل کو رعنائی دیتے ہیں۔ ان کا مجموعی تاثر ''تغزل'' کہلاتا ہے۔''[۱]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

شبلی اس ساری بحث کو صرف ایک جملے میں بیان کرتے ہیں کہ :

'' تغزل سے مراد ہے کہ عشق اور عاشقی کے جذبات موثر الفاظ میں ادا کیے جائیں''۔۲

اس کا مطلب ہے کہ تغزل شاعری کے اس پہلو کا نام ہے جس میں کوئی انسان اپنے جذباتِ عشق کو اس پر اثر طریقے سے بیان کرے کہ قلب و ذہن میں ایک خاص کیفیتِ لطف پیدا ہو جائے۔اس مقالے میں فارسی شاعری میں تغزل کا منتخب شعرا کے کلام کی مدد سے جائزہ پیش گیا ہے۔

شاعری اپنے حسن، اثر اور تاثیر کی وجہ سے شروع ہی سے ایک پسندیدہ صنف رہی ہے۔انسان نے فطرت، ماحول اور جذبات و احساسات کے بیان کے لیے ایک مترنم طریقہء اظہار اختیار کیا جسے شاعری کہا جاتا ہے، مشرقی شعرا نے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے عمومی طور پر غزل کو استعمال کیا ہے۔اور غزل تغزل کا دوسرا نام ہے تغزل کے لغوی معنی ہیں, غزل کی کیفیت پیدا کرنا یا غزل کی سی کیفیت پیدا کرنا۔ تغزل بنیادی طور پر ایک کیفیت کا نام ہے اور اس کی کوئی حتمی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ تغزل اس کیفیت کا نام ہے جس کو محسوس کیا جا سکتا ہے اس کو کسی خاص ترکیب یا لفظ سے بیان کرنا ہو تو مشکل ہو گا۔ایک اور اہم بات یہ کہ یہ کہنا کہ تغزل صرف غزلیہ شاعری میں ہوتا ہے، غلط ہے۔ یہ دیگر اصنافِ شعری میں بھی موجود ہوتا ہے۔البتہ یہ بات درست ہے کہ یہ عمومی طور پر غزل ہی سے جانا جاتا ہے۔۔ غزل میں تغزل کی موجودگی کا مطلب یہ کہ اِس غزل کی داخلی روح ایسی ہو، جو قاری کو خوشی بخشے اور اُس کے اندر لطف پیدا کرے۔

تغزل کی اگر کوئی امکانی تعریف کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کی کسی کلام میں ایسے الفاظ و تراکیب کا استعمال کیا جائے جن میں درد کی میٹھی کسک بھی موجود ہو اور مسرت و سرشاری کی موج بھی، استعمال ہونے والے الفاظ اپنے مضمون اور صوتی آہنگ سے خوش نما ہوں اور کانوں میں رس گھولنے والے ہوں۔ مشکل اور بوجھل الفاظ نہ استعمال کیے گے ہوں۔، لفظ لطافت کے حامل ہوں، شاعر کا طرزِ بیان ایمائی ہو، اشارات مانوس ہوں اور غزل کا مجموعی تاثر قاری کے دل کو ذرا سوچنے پر آمادہ کرے۔ اگر کوئی غزل اِن اوصاف سے بھرپور ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اِس میں تغزل موجود ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تغزل صرف کلام کے اندر ہو کر بھی ہر کسی کے لیے ایک سی خوش گوار کیفیت پیدا کر سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سننے والے کی حسِ لطافت پر بھی منحصر ہے کی وہ کسی کلام سے حظ اٹھانے کا کتنا ہنر رکھتا ہے۔

ضیا احمد بدایونی کا خیال ہے :

> ''ہمارے خیال میں ایک غزل نگار کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ غزل کی بنیاد صرف ان واردات پر رکھے جن کا تعلق جذبات عشق و محبت سے ہے۔دوسرے مضامین بھی ضمناً آجائیں تو مضائقہ نہیں۔ صرف خشک فلسفہ نظم کر دینا یا مسائل تصوف کو موزوں کر دینا تغزل کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔اس کے لیے غزل کو چھوڑ کر دوسری اصناف شعر سے کام لیا جائے تو بہتر ہے۔''۳

اشعر نجمی شمس الرحمان فارقی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> 'تغزل' کوئی اصطلاح نہیں۔پرانے زمانے میں اس کا وجود نہ تھا۔ محمد حسین آزاد تک کے یہاں یہ نہیں ملتی۔ یہ ایک فضول تصور ہے جو اس بات پر مبنی ہے کہ غزل اور انگریزی lyric ایک ہی طرح کی چیز ہیں ۔ لہذا اگر lyricمیں lyricism ہوتی ہے تو غزل میں تغزل ہوتا ہے۔ یہ باتیں بالکل مہمل ہیں۔ میں انھیں نہیں مانتا۔''۴

تغزل' ایک معروف اصطلاح ہے۔اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کسی اصطلاح کا مستقبل کیا ہو گا، یہ کہنا مشکل ہوتا ہے۔ کسی اصطلاح کی معنوی اساس قائم نہ رہ پائے تو اس میں بذات خود اصطلاح کا کوئی قصور نہیں۔ یہ مسئلہ تو اس کے استعمال کرنے والوں کا ہے کہ وہ اسے کس کس سیاق میں کام میں لا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو صفات غزل سے وابستہ ہیں، وہی تغزل سے بھی وابستہ ہیں۔ مثلاً رمزیت، ایمائیت، سوز و گداز، داخلیت وغیرہ۔ یہ سچ ہے کہ غزل نے حسن و عشق کے دائرے میں بال و پر نکالے ہیں، لیکن اس وقت بھی اس کے سامنے آکاش کی وسعت تھی اور آج بھی ہے۔ تنوع اس کی جہات کو پھیلاتا ہے۔ جس طرح غزل میں موضوع اور اسالیب اظہار کے بموجب تنوع پیدا ہوا ہے، اسی طرح تغزل کے تصور میں بھی وسعت آنی چاہیے۔ لیکن ہمارے یہاں ایسا نہیں ہوا۔ تغزل کو غزل کی بنیادی اصطلاح سمجھا گیا، لیکن اس کی تعریف و تعیین کی کوشش کم ہی کی گئی۔ تغزل داخلی پیرایے میں عشقیہ اظہار سے وابستہ ہو گیا۔ ہم پھر اپنی بات دہرائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو صفات غزل سے وابستہ ہیں ،وہی تغزل سے بھی وابستہ ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

فارسی شعری ادب ایک طویل داستان ہے جس میں شعرائے کرام اور ادیبوں کی مختلف ادوار میں تخلیقی سرگرمیوں کا ذکر بھی ہے اور تصوف کے سفر کا بھی تذکرہ بھی۔ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جب فارسی شعر وادب کی بات کی جارہی ہو، تو اس سے مراد کسی مخصوص خطے یا ملک کے تخلیق کار سے نہیں ہے، بلکہ جہاں بھی فارسی زبان میں شعر وادب تخلیق ہوا وہ بھی اس ذکر میں شامل ہوں گے۔

فارسی شعر وادب کا اردو زبان اور ادبیات پر بھی خاصا گہرا اثر رہا ہے۔ساتویں اور آٹھویں صدی کے درمیانی عرصے میں فارسی زبان میں شاعروں، ادیبوں، عالموں کا ذکر ملتا ہے، ان میں چند اہم تخلیق کاروں میں، محمد ابن زکریا الرازی، محمد ابن موسی الخوارزمی، عبداللہ ابن المقفع، بخاری، ابو بسر عمرو بن عثمان قنبر البصری اور بلاذری کے نام شامل ہیں۔یہ وہ شخصیات ہیں، جن کا ان دو صدیوں کے درمیانی زمانے میں بہت چرچا رہا اور انھوں نے فارسی شعر وادب کی بنیاد رکھی۔فارسی شعر وادب میں شخصیات کی اکثریت ایسی ہے، جنہوں نے شعر وادب کے علاوہ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں بھی نام پیدا کیا۔

اس صدی میں شعر وادب میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں میں "ابن المقفع" کا نام سب سے پہلے آتا ہے، کیونکہ اس شعبے میں اتنا تخلیقی کام کرنے والی واحد شخصیت تھے جنھیں ترجمے کی صنف پر دسترس حاصل تھی۔انھوں نے عربی سے ایک معروف ادبی نثری تحریر کا شاندارہ ترجمہ کیا، وہی ترجمہ فارسی ادب میں پہلی نمایاں اور باقاعدہ کام کے طور پر سامنے آیا۔فارسی زبان میں یہ وہ پہلے رجحان ساز تخلیق کار تھے، جنہوں نے عربی ادب سے ترجمے اور ماخذات کو بڑی مہارت سے فارسی زبان میں منتقل کیا۔

اس عہد کی تین اور اہم شخصیات میں، منصور اور بلخی کے نام سے اہم ہیں۔یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے شاعری، فلسفے، اور ادب کے حوالے سے نمایاں کام کیا۔فارسی زبان میں تصوف کی روایت بھی اسی دور سے شروع ہوتی ہے۔اس حوالے سے منصور حلاج کا نام سرِ فہرست ہے۔انھوں نے اپنے آپ کو فنافی المعرفت کر دیا تھا۔ جب کبھی منصور کا نام آئے گا تو تصوف کا ذکر لازمی ہوگا۔جدید فارسی شاعری میں "ابو عبداللہ جعفر ابن محمد رودکی" پہلی نمایاں شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔یہ قدیم فارسی زبان میں کلاسیکی ادب کے خالق بھی مانے جاتے ہیں۔منصور حلاج کا نام برصغیر کے لوگوں کے لیے نیا نہیں تھا، ہمارے ہاں آج بھی تصوف کی نسبت سے ان کا نام بہت مقبول ہے۔تصوف کے بنیادی اساتذہ میں شمار کیے جانے والی یہ شخصیت انقلابی قلم کار تھی۔ایک صوفی کے طور پر ان کی زندگی عملی نمونہ بنی۔عباسی دور کے چند مقبول ترین ناموں میں سے ایک نام ان کا بھی ہے۔اسی طرح کئی جہتوں میں کام کرنے والے "شاہد بلخی" ایک شاعر ہونے کے ساتھ فلاسفر اور صوفی بھی تھے۔ان کو بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام حاصل تھا۔دسویں صدی میں فارسی زبان میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔بہت سے نئے لکھنے والے سامنے آئے۔ہر شعبے میں ترقی ہونا شروع ہوگئی۔مجموعی طور پر پندرہ سے بیس شخصیات اس دور میں نمایاں دکھائی دیتی ہیں۔جنہوں نے مختلف شعبوں میں نام کمایا، لیکن سب سے زیادہ شہرت جس شاعر نے حاصل کی، اس کا نام "فردوسی" ہے۔ایران کی قومی داستان کے خالق "حکیم ابوالقاسم فردوسی توسی" نے فارسی شاعری میں بلند مرتبہ حاصل کیا اور دیگر زبانوں میں شاعری کرنے والوں پر بھی اپنی شاعری کے اثرات مرتب کیے۔

شاہنامہ فردوسی اس شاعر کا ایک ایسا شاہکار ہے، جس کو دنیا آج بھی ذوق وشوق سے پڑھتی ہے۔فردوسی کو دنیا میں جہاں بھی لوگ نظم اور داستان سے لگاؤ رکھتے ہیں، جانتے ہیں۔سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں شہرت حاصل کرنے والے فردوسی کے ہم عصروں میں بھی بہت سے قابل شاعر، ادیب اور صوفی موجود تھے۔ان ہم عصروں میں، ابو سعید ابوالخیر، ابو منصور دقیقی، ابوالفضل بیہقی، فرخ سیستانی، کسائی مروزی، عیوقی، خواجہ عبداللہ انصاری اور دیگر تھے۔گیارہویں صدی سے فارسی شعر وادب نے مزید مقبولیت حاصل کی۔اس صدی میں کئی نامور شخصیات پیدا ہوئیں، ان میں تین شخصیات ایسی تھیں، جن کے علم کی چمک دمک سے فارسی شعر وادب جگمگا اٹھا۔ان کے نام "عمر خیام"، "امام غزالی" اور "داتا گنج بخش علی ہجویری" ہیں۔۔بارہویں صدی میں بھی فارسی زبان پر زرخیزی کا موسم چھایا رہا اور کئی نامور شخصیات کی دریافت ہوئی۔اس عہد میں دو شخصیات نے دنیا بھر میں اپنے علم وفضل سے بے پناہ شہرت حاصل کی، ان میں "فرید الدین عطار" اور "شیخ سعدی" شامل ہیں۔فرید الدین عطار نہ صرف ایک اچھے شاعر تھے، بلکہ ان کی شخصیت بھی صوفیانہ تھی، جس کا اثر ان کی تحریروں پر بھی دکھائی دیتا ہے۔

سعدی صاحب دیوان ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر کئی علوم میں بھی تعلیم یافتہ تھے۔ان کے کام پر رومی کا اثر بھی دکھائی دیتا ہے۔سعدی کا چرچا مغرب میں بھی ہے۔ان کے دیگر معاصرین میں نظامی، سنائی کے علاوہ کئی معروف نام بھی تھے۔فارسی زبان وادب میں یہ وہ دور ہے، جس میں ان کے علما عروج کی بلندیوں پر فائز ہیں۔تیرہویں صدی جس عالم اور صوفی کو سب سے زیادہ شہرت اور مقام ملا، ان کے نام امیر خسرو اور شمس تبریزی تھے۔چودہویں صدی کی سب سے مشہور اور قابل ترین

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

شخصیت 'حافظ شیرازی' کی ہے۔آپ نے شاعری میں نئی جہتیں متعارف کروائیں۔ان کے چاہنے والوں میں علامہ اقبال بھی شامل ہیں۔ان کے معاصرین میں پندرہ ایسے ہم عصر شاعر اور عالم ہیں، جن کو فارسی زبان میں نمایاں اہمیت حاصل تھی۔فارسی شاعری دیگر ملکوں کے شعر وادب پر بھی اپنے اثرات مرتب کر چکی تھی۔لہٰذا انیسویں صدی میں ہندوستان کے دو بڑے شاعر بھی فارسی زبان کی اس تخلیقی لہر سے متاثر ہوئے،وہ مرزا اسداللہ خان غالب اور علامہ اقبال ہیں۔ان کے دیگر معاصرین میں بھی کافی شاعروں نے شہرت حاصل کی، مگر جو مرتبہ ومقام ان دونوں کے حصے میں آیا،وہ کسی اور کے نصیب نہیں۔

بیسویں صدی،امین، علی شریعتی،فروغ فرخ زاد، سہراب،احمد شاملو،ایرج، مرزا،وارند، محمد میلماسی سمیت کئی بڑے نام ہیں، جن کے علم سے بیسویں صدی فیض یاب ہوئی۔فارسی زبان کا شعر وادب جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے بعد آج بھی تخلیق ہو رہا ہے اور اتنے زرخیز پس منظر رکھنے والوں کے ہاں کتنے ایسے نام ہیں، جن پر اب پوری دنیا میں کام ہو چکا ہے

فارسی شاعری میں تغزل کی روایت کا جائزہ سید شرف الدین بو علی قلندر، سعدی شیرازی،امیر خسرو اور مولانا رومی کے کلام کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

بو علی قلندر ہندوستان کے معروف شہر پانی پت میں 1209ء اور 605ھج میں پیدا ہوے۔۔بو علی شاہ قلندر امام زین العابدین کی اولاد سے تھے آپؒ کے والد سیّد محمد ابوالحسن شاہ فخر الدین، مدینہ منورہ، سے نجف، عراق،ایران وغیرہ سے ہوتے ہوے پارہ چنار کے ایک گاؤں کرمانمیں اپنے دو بیٹوں، حضرت السیّد شاہ انورؒ اور حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے ساتھ آباد ہوے۔شرف الدین پانی پتی معروف بہ بو علی قلندر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کا شمار برصغیر کے نامور اولیاء میں ہوتا ہے اور کئی کرامات آپ سے منسوب ہیں، پانی پت میں آپ کا مزار، بلا تفریقِ مذہب وملت، زیارت کے لیے کھلا ہے۔آپ ایک بلند پایہ اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔آپ کا ایک دیوان بھی شائع ہوا تھا جو آپ کی غزلیات، قصائد اور رباعیات کا مجموعہ تھا، حیدر آباد دکن سے آپ کے اشعار کا ایک مجموعہ "کلامِ قلندری" شائع ہوا تھا۔اسکے علاوہ آپ نے تین مثنویاں بھی تخلیق کی تھیں جس میں ایک کا نام "گل وبلبل" ہے۔آپ کے کلام کے اردو اور پنجابی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔آپ کے کلام میں تغزل کا رنگ محسوس کیا جا سکتا ہے۔آپ اصل میں ایک جذب کی سی کیفیت میں ہوتے تھے اس لیے آپ کی اوپر ایک وجد کی کیفیت طاری رہتی تھی اپ جب اسی حالت میں اپنے دل عشق کی تپش محسوس کرتے تو بے ساختہ اس کا اظہار اپنے کلام میں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام اپنے اندر رواں موجوں کا ایک ترنم رکھتا ہے۔اس کلام میں خیال آفرینی بھی ہے، عشق کی حدت بھی ہے اور ایک تال اور دھمال کی سی کیفیت بھی ملتی ہے۔دل سے جو نکلتی ہے اثر رکھتی ہے کہ مصداق آپ کے کلام میں اسی اثر نے موسیقیت اور تغزل پیدا کر دیا ہے مثلاً آپ کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

منَم محوِ جمالِ اُو، نمی دانم کُجا رفتم
شُدَم غرقِ وصالِ اُو، نمی دانم کجا رفتم

میں اسکے جمال میں محو ہوں اور نہیں معلوم کہاں جا رہا ہوں، میں بس اُسی کے وصال میں غرق ہوں اور نہیں جانتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔

غلامِ روئے اُو بُودَم، اسیرِ بُوئے اُو بودم
غبارِ کوئے اُو بودم، نمی دانم کجا رفتم

میں اس کے چہرے کا غلام ہوں اور اسکی خوشبو کا اسیر ہوں، اسکے کُوچے کا غبار ہوں، اور نہیں جانتا کہاں جا رہا ہوں۔

بہ آں مہ آشنا گشتم، ز جان ودل فدا گشتم
فنا گشتم فنا گشتم، نمی دانم کجا رفتم

اُس ماہ رُو کا آشنا ہو کر گھومتا ہوں، جان ودل فدا کیے ہوئے گھومتا ہوں، خود کو فنا کیے ہوئے گھومتا ہوں اور نہیں جانتا کہاں جا رہا ہوں۔

شدم چوں مبتلائے اُو، نہادم سر بہ پائے اُو
شدم محوِ لقائے او، نمی دانم کجا رفتم

میں اس کے عشق میں ایسے مبتلا ہوں کہ اس کے پاؤں پر سر رکھے ہوں اور ہمہ وقت اسکے دیدار میں محو اور نہیں جانتا کہاں جا رہا ہوں۔

قلندر بُو علی ہستم، بنامِ دوست سر مستم
دل اندر عشقِ اُو بستم، نمی دانم کجا رفتم

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

میں بُو علی قلندر ہوں اور دوست کے نام پر سر مست ہوں اور میرے دل میں بس اُسی کا عشق ہے، اور نہیں جانتا کہاں جا رہا ہوں۔

تغزل کی جو کیفیت کسی کلام میں محسوس کی جاسکتی ہے وہ اس غزل میں موجود ہے۔ غزل نہ صرف اپنے مضامین کی وجہ سے تغزل کا ایک شہکار ہے بل کہ اس میں الفاظ و تراکیب کے صوتی آہنگ سے جو تغزل پیدا کیا گیا ہے اس کا جواب نہیں۔ بو علی قلندر عشقِ حقیقی سے لبریز تھے اور حسنِ لم یزل ان کے پیشِ نظر تھا اس لیے آپ کا کلام اپنی تاثیر سمیت فوراً روح میں اتر جاتا ہے۔ آپ کے کلام میں تغزل کی چند مزید مثالیں درج ذیل ہیں۔

بدل شمعِ حرم داری چرا سوئے حرم پوئی
چو یار اندر بغل داری چہ سودہ از قطع منزلہا

تیرے دل میں جب حرم کی شمع موجود ہے تو پھر تو کیوں حرم کی طرف دوڑتا ہے۔ جب یار بغل میں ہے تو پھر منزلیں طے کرنے کا کیا فائدہ؟

شرف حسنِ ازل بینی، بچشمِ جان و دل ہر دم
عیاں در جلوت جان ہا، نہاں در خلوتِ دل ہا

شرف تو دل و جاں کی آنکھ سے ہر وقت حسنِ ازل کا نظارہ کر رہا ہے۔ وہ تو جانوں کی جلوت میں ظاہر اور دلوں کی خلوت میں پنہاں ہے۔

نیم شبے تا گہ حسن آں سلطانِ خوباں را
سر اندر پائے وے آرم فدا سازم دل و جاں را

اگر میں کسی رات اس شاہِ خوباں کو اچانک دیکھ لوں تو میں اپنا سر اس کے قدموں میں رکھ دوں اور اپنے دل و جاں کو اس پر فدا کر دوں۔

فروزم آتشے در دل، بسوزم قبلہ ءعالم
پس آں گہ قبلہ سازم، حسن آں ابروئے جاناں را

میں دل میں ایک آگ روشن کروں اور دنیا کے قبلے کو جلا دوں اور پھر اپنے محبوب کے ابروں کو قبلہ بنالوں۔ آپ کی غزل کے حوالے سے ڈاکٹر محمد صدیق لکھتے ہیں

> ''شیخ بو علی قلندر نے عارفانہ واردات کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ مجاز کے پردے میں پیش کیا ہے۔ کیوں کہ مشاہدہ ءحق کی گفتگو بادہ و ساغر کے حوالے سے بیان کی جائے تو غزل کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ شیخ کی غزلیں جذب و مستی کی کیفیت کی آئینہ دار ہیں''۵

بو علی اپنے عشق کے تجربے کو اسی مستی کیف اور سرور سے پیش کرتے ہیں جس سے وہ خود آشنا تھے۔ اور ان کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے اپنی واردات کو اس طرح پیش کیا کہ قاری خود اس کہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

فارسی شاعری میں سعدی کا نام لیے بغیر فارسی شاعری کو مکمل نہیں سمجھا جاسکتا۔ سعدی کا لقب مصلح الدین تھا اور آپ سعدی تخلص کیا کرتے تھے۔ آپ کے والد چوں کہ شیراز کے بادشاہ تابک سعد بن زنگی کے دربار سے منسلک تھے لہٰذا اسی نسبت سے سعدی نے اپنا تخلص سعدی رکھا۔ سعدی کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے تذکرہ نویسوں نے کوئی خبر نہیں دی ہے۔ البتہ آپ کی تاریخ وفات اور عمر کا علم تھا۔ آپ کی وفات 691 ھج کو ہوئی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ایک سو دو سال تھی اس لیے قیاس کیا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت 589 ھج میں ہوئی ہو گی۔ آپ کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے آپ کی تصانیف میں کافی معلومات موجود ہے۔ آپ کے مطابق آپ کی ابتدائی دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کا اہتمام خود ان کے والدِ گرامی نے کیا۔ اس کے بعد آپ کے والد میں قابل اور صاحبِ کمال اساتذہ سے آپ کی تعلیمی تربیت کی۔ والد نے جب انھیں پڑھنے کے لئے بٹھایا تو تختی اور کاغذ کے ساتھ ایک طلائی انگوٹھی بھی، انھیں خرید دی۔ وہ اس قدر چھوٹے تھے کہ انگوٹھی کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانتے تھے اور کسی شخص نے انھیں مٹھائی دے کر، انگوٹھی ٹھگ لی۔ شیخ سعدی کے والد کو آپ کی تربیت کا بہت خیال تھا اس لیے وہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے اور زندگی کے تمام معاملات کے بارے میں آگاہی دیتے۔ سعدی کی بنیادی فکری اور روحانی تربیت میں آپ کے والد کا بہت بڑا حصہ ہے۔

شیخ سعدی کے والد اپ کے بچپن ہی میں وفات پا گے تھے۔ آپ کو مزید حصولِ علم کے لیے بغداد جانا پڑا۔ بغداد کا مدرسہ اس وقت ایک عالمی جامعہ کے طور پر جانا جاتا تھا۔ دور دراز علاقوں سے جوندگانِ علم یہاں آتے اور تحصیلِ علم کرتے تھے۔ یہاں بچوں کی مالی امداد کے لیے وظیفے بھی دیئے جاتے تھے۔ اس زمانے میں شیراز بھی، اہل علم کا مرکز تھا اور یہاں مدرسے موجود تھے مگر زمانے کے دستور کے مطابق شیخ بھی مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے جو اپنے عہد میں بین الاقوامی یونیورسیٹی کی حیثیت

رکھتا تھا۔

شیخ سعدیؒ نے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سیر وسیاحت شروع کی اور ایشیا کے بیشتر حصوں میں سفر کرتے رہے۔ انھوں نے عرب، ایران، ترکستان اور وسط ایشیا کے ساتھ ساتھ، ہندوستان تک، سفر کیا اور چین بھی گئے۔ وہ آزاد مزاج تھے لہٰذا خوب سیاحت کی اور تجربات حاصل کئے۔ وہ اپنی کتاب "بوستان" میں گجرات کے سومنات مندر میں ایک مدت تک قیام کی داستان بیان کرتے ہیں۔ انھیں سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے سلطان محمد شہید (گورنر پنجاب وسندھ) نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی مگر وہ بڑھاپے کی وجہ سے نہ آسکے اور اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ کر، گلستاں، بوستان روانہ کی۔ وہ کئی بار حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول کے لئے گئے اور بیت المقدس جاکر عبادت و مجاہدے کئے۔

سعدیؒ شیرازی بے شمار خوبیوں اور جہات سے جانے جاتے ہیں۔ آپ ایک عالمِ دین، درویش، عاشقِ رسول ﷺ، صوفی منش، واعظ و فقیہ انسان تھے۔ آپ کے اندر ایک حسن پرست شاعر بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی غزلوں میں ایک کیفیت اور لطف موجود ہے آپ نے "گلستان" کا پانچواں باب عشق و جوانی کے موضوع پر رکھا ہے اور اس کی تمام حکایات سر مستیٔ عشق کے موضوع پر ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں عشق ایک فطری موضوع تھا لہٰذا اس پر اظہار خیال کرنے میں انھوں نے کوئی عار محسوس نہ کیا۔ البتہ مدارس آج تک اس قدر وسعتِ قلبی نہ پیدا کر سکے کہ وہ پانچواں باب پڑھا سکیں۔ آج بھی جن مدرسوں میں گلستان کی تعلیم ہوتی ہے وہاں پانچواں باب نہیں پڑھایا جاتا۔ اس باب میں جو عشق کی داستانیں ہیں ان میں بہت سی خود ان کی اپنی ہیں جنھیں وہ بڑے مزے سے بیان کرتے ہیں۔

شیخ سعدی شیرازی نے آخری عمر میں شیراز میں قیام اختیار کر لیا تھا اور شہر کے باہر ایک بیٹھک بنا کر رہنے لگے تھے۔ یہاں وہ دن رات یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور آنے والے ملاقاتیوں، جن میں بڑے بڑے امیر، وزیر، اولیا اور ہر طرح کے لوگ ہوتے تھے سے ملاقات بھی کرتے تھے۔ آپ کا انتقال شیراز میں ہوا، یہیں آپ کا مزار ہے جہاں دنیا بھر سے عقیدت مند آتے اور حاضری دیتے ہیں۔ جس جگہ آپ کا مزار ہے اس کو سعدیہ کہا جاتا ہے۔[5]

سعدیؒ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں گلستان، بوستان کو زیادہ شہرت ملی مگر ان کے علاوہ قصائد عربی اور فارسی دونوں میں، رباعیات، قطعات، اور غزلیات وغیرہ بھی اپنے کی تخلیقات میں موجود ہیں بل کہ بڑی ہی معرف اور مقبول رباعی: بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجا بجمالہ آپ ہی کی تخلیق کردہ ہے۔

سعدی فارسی شاعری میں کیا مقام رکھتے ہیں اس بات کا اندازہ ان اشعار سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

در شعر سہ تن پیمبر اند

ہر چند کہ لا نبی بعدی

ابیات و قصیدۂ غزل را

فردوسیؔ و انوریؔ و سعدیؔ

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مصرعوں میں کوئی تعلیٰ نہیں۔ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ سعدی نے شاعری میں وہ کمالِ فن بتایا ہے کہ جس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ ان اشعار میں بھی تین لوگوں کی شاعرانہ عظمت کا سلام پیش کیا گیا ہے۔۔ ان تینوں کے میدان کار مختلف ہیں، یعنی فردوسیؔ ابیات میں پیغمبر کا درجہ رکھتا ہے تو انوریؔ قصیدہ گوئی میں اور سعدیؔ کو غزل کے میدان میں پیغمبرانہ مقام حاصل ہے۔۔

ڈاکٹر ظہور الدین احمد سعدی کی غزل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"سعدی نے اپنی غزل میں عشقیہ، عرفانی، اور اخلاقی مضامین بیان کیے ہیں۔ آپ نے بھی اپنے سے پہلے شعرا کی طرح غزل میں محبوب کے سراپا کو بیان کیا ہے۔ محبوب کے چشم و ابرو، لب و رخسار و زنخداں، قامت و کمر و رفتار کو مختلف تشابیہ سے بیان کیا ہے۔"[6]

سعدی کی غزلوں میں جس قسم کا محبوب موجود ہے وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرتے ہین اور است دل و جاں سے چاہتے ہیں۔ وہ اس کے فراق میں تڑپتے ہیں، اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ بھی باقی محبوبوں کی طرح بے وفا ہے۔ آپ کو تڑپانا چاہتا ہے۔ اسی کشمکش کو سعدی نے اپنی روح کے محسوسات کے ساتھ اپنی غزلوں میں پیش کیا ہے۔ اپنی اس دلی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے وہ جس زبان و بیاں کا اظہار کرتے ہیں اس میں ایک کیف، سرور، مسرت، دکھ، شکوہ، سوز و گداز تغزل کے پیر ہن میں نمودار ہوتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

مثلاً گردست دھد ہزار جانم در پائی مبارکت فشانم

آخر بسرم گذر کن ای دوست انگار کہ خاک آستانم

توخود سرِ وصلِ ماندار ی من عادت بخت خویش دانم

من ترک وصالی تو نگویم الابفراقِ جسم وجانم

سعدی کی غزل میں چاشنی اور سرمستی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سعدی کی غزلوں میں محبوب سے ہلکے ہلکے گلے شکوے ہیں۔اس کے لیے تڑپ اور بے قراری بھی ہے اور جاں نثاری کا عنصر بھی ہے۔آپ کی غزلوں میں دل کی پکار کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔اور اسی وجہ سے قاری کو آپ کی غزلوں میں ایک لطف اور رومانوی کیفیت بھی محسوس ہوتی ہے۔

سعدی شیرازی اپنی غزل میں مناظرِ فطرت یعنی گل وبلبل،موسموں کی کروٹ، پھولوں کی نزاکت وغیرہ کو بھی جگہ دے کر ایک خوش نما فضا قائم کرتے ہیں۔آپ نے الفاظ کے ترنم، حروف کی تکرار اور صوت کے آہنگ سے بھی اپنی غزل میں ترنم اور تغزل پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔آپ نے سہل اور آسان لفظوں سے اپنے غزلیہ کلام کی مالا پروئی ہے۔

مثلاً ئے شبست وشاہد وشمع وشراب وشیرینی غنیمتست چنین شب کہ دوستاں بینی

آپ کی غزل کو کسی بھی دوسرے صاحبِ کمال شاعر کے ساتھ رکھ کر موازنہ کیا جائے تو پتا چلے گا کہ اُ کی غزل بھی کسی سے کم نہیں۔یہاں تک کے امیر خسرو بھی آپ کو اپنا روحانی استاد تسلیم کرتے تھے۔آپ کی غزلیات میں تغزل کی چند اور مثالیں ئے زنہار ازآن تبسمِ شیرین کہ می کنی کز خندۂ شگوفۂ سیراب خوشتر است

میرے محبوب کے ہونٹوں کے تبسم کی کرن خندہءگل کی سیرابی سے بہت بہتر ہے

ئے شمعی بہ پیش روی تو گفتم کہ بر کنم حاجت بشمع نیست کہ مہتاب خوشتر است

میں نے سوچا کہ ایک شمع اپنے محبوب کے روبرو رکھ دوں مگر مجھے شمع کی کیا حاجت کہ میرا محبوب چاند ہے اور شمع سے بہت خوب ہے۔

ئے دوش آرزوئ خو شم بود یک جہان امشب نظر بروی تواز خواب خوشتر است

کل تک تو میرے آرزو میں ایک بڑی دنیا تھی مگر آج شب تجھے دیکھا تو میرے خواب بھی بہت خوب ہوگے۔

ئے زآب روان وسبزہ وصحرا ولالہ زار بامن مگو کہ چشم براحباب خوشتر است

میری آنکھوں کو آبِ رواں، سبزا وصحرا اور لالہ زار بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں مگر محبوب پر پڑی ایک نظر بھی ان سے بہت زیادہ خوب صورت ہے۔

امیر خسرو جیسی اعلیٰ علمی وادبی اور روحانی ہستیاں صدیوں بعد جنم لیتی ہیں۔آپ کی ذات ایک مرقع تھی علم وہنر کی جس کا اثر ہندوستان کے لسانی اور ادبی حلقوں پر بہت زیادہ رہا ہے۔آپ نے فارسی اور اردو کے امتزاج سے زبانوں کے درمیان وحدت کا رنگ بھی قائم کیا۔آپ ایک کثیر الجہت انسان تھے۔آپ ایک ہی وقت میں ایک شاعر، صاحب الرائے، سپاہ گر، درویش، اور صوفی رنگ کے حامل تھے۔انہوں نے بادشاہانِ وقت سے لے کر عوامی سطح تک کی شاعری کی اور بہت زیادہ مقبول ہوے۔آپ ترکی النسل تھے مگر آپ کی ہندستان کے ساتھ محبت کا یہ عالم ہے کہ آپ ہر وقت ہندوستان کی تعریف میں لگے رہتے تھے۔ہندوستان آپ کے لیے ایک دنیاوی جنت تھا۔اس کے موسم،لوگ اور مناظر آپ کو بے خود کر دیتے تھے۔

امیر خسرو کا اصل نام ابوالحسن یمین الدین تھا۔وہ 1253ء میں قصبہ پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ان کے والد امیر سیف الدین محمود، حملہ چنگیزی کے دوران ،تاجکستان اور ازبکستان سے ہندوستان آئے اور ایک ہندوستانی امیر عماد الملک کی بیٹی سے شادی کرلی۔خسرو ان کی تیسری اولاد تھے۔جب خسرو نے ہوش سنبھالا تو ان کے والد نے ان کو خوشنویسی کی مشق کے لئے اپنے وقت کے مشہور خطاط سعداللہ کے حوالہ کر دیا لیکن خسرو کو پڑھنے سے زیادہ شعر گوئی کا شوق تھا وہ وصلیوں پر اپنے شعر لکھا کرتے تھے۔شروع میں خسرو "سلطانی" تخلص کرتے تھے بعد میں خسرو تخلص اختیار کیا۔خسرو جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو غیاث الدین بلبن ملک کا بادشاہ تھا۔کہا جاتا ہے کہ امیر خسرو کا جتنا کلام فارسی میں ہے اتنا ہی برج بھاشا میں ہے مگر اس بیان کی تصدیق اس لیے نہ ہوسکی کہ اس مقدار میں جس میں ان کا کلام فارسی موجود ہے اس میں ان کا ہندوی کلام بھی موجود ہے۔۔ان کا جو بھی ہندی کلام ہے وہ نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچا ہے۔خسرو سے پہلے ہندی شاعری کا کوئی نمونہ نہیں ملتا۔خسرو نے فارسی کے ساتھ ہندی کو ملا کر شاعری کے ایسے دلکش نمونے پیش کئے ہیں جن کی کوئی مثال نہیں۔خود درباروں میں درباری شاعر تھے لیکن دربار سے باہر وہ پوری طرح

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

عوام کے شاعر تھے۔زندہ دلی اور خوش مزاجی ان میں کوٹ کُوٹ کر بھری تھی۔ہندی اور فارسی کی آمیزش سے کہی گئی ان کی غزلیں عجیب رنگ پیش کرتی۔ان میں تغزل کی چاشنی اور موسیقیت کی لے موجود ہے۔آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ نے خالص صوفیانہ مضامین کو بھی اس انداز میں پیش کیا ہے کی سننے والا اس کی تاثیر سے ہر گز اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا ہیں۔آپ کی یہ غزل تو شہرت کی بلندیوں کو ابھی تک چھو رہی ہے۔

"زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں

کہ تاب ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں"

شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ خسرو ایک بڑے موسیقار بھی تھے۔آپ سے دھنوں کے بہت سارے راگ منسوب ہیں۔آپ نے ہنداستانی معاشرت کے مطابق بہت سارے گیت نما کلام بھی لکھے ہیں۔

شبلی نعمانی کے مطابق خسرو پہلے اور آخری موسیقار ہیں جن کو "نایک" کا خطاب دیا گیا۔ان کا دعویٰ ہے کہ خسرو عہد اکبری کے مشہور موسیقار میں تان سین سے بھی بڑے موسیقار تھے۔خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاء سے خاص نسبت تھی۔حالانکہ دونوں کی عمروں میں بس دو تین سال کا فرق تھا۔خسرو نے 1286 میں خواجہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔اور خواجہ صاحب نے خاص ٹوپی جو اس سلسلہ کی علامت تھی خسرو کو عطا کی تھی اور انہیں اپنے خاص مریدوں میں داخل کر لیا تھا۔

امیر خسرو کا شمار فارسی شعرا میں صفِ اول میں کیا جاتا ہے۔اردو شاعری میں بھی آپ کو اولین نقش قرار دیا جاتا ہے آپ نے اپنے کلام کی لطافت سے ایک عالم کو سیر اب کیا آج بھی ہندوستان میں آپ کا توتی بولتا ہے۔آپ روحانی دنیا کے مسافر، شعری وادبی دنیا کے شہسوار، اور تصوف کے داعی تھے۔آپ تقریباً پانچ زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔اردو اور فارسی میں آپ کے کم و بیش پانچ لاکھ اشعار ہیں۔شاعری میں غزل آپ کا پسندیدہ موضوع رہی ہے۔لیکن ایسا نہیں کہ آپ نے دیگر اصناف کی طرف توجہ نہیں دی۔آپ نے ہر میدان میں طبع آزمائی کی ہے اور ایک بڑا ذخیرہ اہلِ ذوق کے لیے چھوڑا ہے۔

امیر خسرو فارسی کے معتبر اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔آپ کے سرمائے میں بہت سی نایاب اور تغزل آمیز غزلیں موجود ہیں۔آپ سے پہلے سعدی نے غزل کو ایک ترنم لے اور کسک سے آشنا کرایا تھا مگر اس میں اضافہ اور مزید ترقی امیر خسرو نے دی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کو غزل کا امام بھی کہا جاتا ہے۔غزل کے اندر جو لوازمات ہونے ضروری ہیں وہ سب کے سب خسرو کی غزل میں موجود ہیں۔مثلاً رنگینیٔ خیال، سوز، گداز، احساسات و جذبات، وارداتِ قلبی کا بیان، عشق، محبت، محبوب کے ناز نخرے کا بیان، بے نیازی، ناز و ادا، عاشق کی بے لوث محبت اور نیاز مندی ہجر و فراق کی لذتیں، یا ذیتیں، گرمیٔ جذبات وغیرہ جو کہ غزل کی خصوصیات ہیں، ان کی غزلوں میں موجود ہیں۔مثال کے طور پر چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ ای نرخ بالا کن کہ ارزانی ھنوز

جان زتن بردی و در جانی ہنوز درد ہا دادی و درمانی ہنوز

امیر خسرو نے اپنی غزلوں میں مختلف انداز سے تغزل کی رو کو چلایا ہے۔کہیں آپ نے ایسی دل فریب تراکیب استعمال کی کہ ایک چاشنی اور سرمستی کا رنگ ابھر آیا ہے اور کہیں صوتی آہنگ سے الفاظ کو اس طریقے سے جوڑا ہے کے دل خود دھمال کو ناچتا ہے۔رنگ تغزل سے بھرپور چند اشعار:

نمی دانم چہ منزل بُود شب جائے کہ من بُودم

بہر سُو رقص بسمل بُود شب جائے کہ من بودم

میں خود گُم کردہ منزل تھا جہاں کہ رات میں خود تھا۔ہر طرف رقص بسمل تھا جہاں کہ رات میں تھا۔

پری پیکر نگارے، سرو قدے، لالہ رُخساری

سراپا آفتِ دل بُود شب جائے کہ من بودم

میری نگاہوں میں ایک سرو قد اور لالہ کی طرح کے رخساروں والا انسان تھا۔دل میں ایک طلاطم تھا۔نہیں معلوم کہ میں رات کہاں تھا۔

رقیباں گوش بر آواز اور در ناز من ترساں

سخن گفتن چہ مشکل بُود شب جائیکہ من بودم

دشمن ایک آواز کو بہت چاہ سے سن رہے تھے اور میں ترس رہا تھا۔کوئی ایسی بات تھی جو بہت مشکل تھی جہاں رات کو میں تھا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

خُدا خود میر مجلس بُود اندر لا مکاں خسرو
محمدؐ شمعِ محفل بُود شب جائیکہ من بودم

میں نے دیکھا کہ جو محفل سجی ہوئی تھی اس کا میر خود خدا تھا اور محمد ﷺ شمعِ محفل تھے میں رات کو جہاں تھا۔

(۲)

دیدم بلائے ناگہانِ عاشق شُدم، دیوانہ ہم
جانم ہجان آمد ہمی از خویش واز بیگانہ ہم

میں اس حسنِ بلاخیز کا عاشق بھی ہوں اور دیوانہ بھی۔ اس کو دیکھ کر اپنا اور بے گانہ سب بے خود ہو چکے ہیں۔

دیوانہ شُد زد عشق ہم، ناگہ بر آورد آتشی
شُد رفت شہری سوختہ، خاشاک ایں ویرانہ ہم

دیوانہ عاشق اپنے عشق سے ایسی آگ لگادے گا جس سے شہر اور ویرانہ دونوں جل جائیں گے۔

قبلۂ اسلامیانِ کعبہ بود در جہاں
قبلۂ عُشاق نیست جز خمِ ابروئِ دوست

مسلمانوں کا قبلہ تو اس دنیا میں کعبہ ہے مگر عشاق کا قبلہ اصل میں یار کے ابرو ہیں۔

پروفیسر آذرمی دخت صفوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

''خسرو کی غزل جذبہء عشق سے سرشار ہے۔ عشق ہمیشہ سے فنی تخلیقات کو نشاط و سرمستی کا سامان مہیا کرتا رہا ہے اور اسی نشاط و سرمستی سے غزل میں وہ سوز و سرور، وہ کیفیت، وہ بے خودی پیدا ہوتی ہے جو خسرو کی غزل کا بھی خاصہ ہے۔''۷

اسی صفحے پر وہ خسرو کی غزل کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں

"خسرو کی غزل ایک طرف پوری مشرقی تہذیبی روایت کی علم بردار ہے تو دوسری طرف وہ اس روایت میں اضافہ بھی کرتی ہے۔ ان کی غزل میں تغزل، تعشق، اور تصوف شیر و شکر کے طرح ایسے گھلے ہوئے ہیں کہ اس کی مثال کسی دوسرے غزل گو شاعر کے ہاں مشکل سے ملے گی"۹

خسرو کی غزلوں میں جو سوز و گداز ہے اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ ان کے زمانے سے لے کر آج تک ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر سماع، اور قوالی کی محفلوں میں غالباً اب سب سے زیادہ انہی کی غزلیں مقبول اور رائج ہیں

مولانا روم کا اصل نام محمد تھا اور جلال الدین کے لقب سے آپ مشہور تھے۔ آپ اب محض رومی یا مولانا روم کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ آپ کا وطن بلخ ہے اور آپ ھجری تاریخ کے مطابق 604 ھج اور عیسوی کے مطابق 1207ء کو بلخ میں پیدا ہوے۔ آپ کے والد کا نام بہاوالدین تھا جو خود ایک با عمل صوفی تھے۔ آپ کی والدہ شاہ خوارزم کی بیٹی تھیں۔ مولانا کی ابتدائی تعلیم کا اہتمام ان کے والد نے خود کیا۔ ان کے والد اپنے دور کے جید عالم اور واعظ تھے۔ والد کے بعد آپ کے پہلے استاد سید برہان الدین بنے جو اپنے زمانے کے انتہائی عالم افراد میں شامل ہوتے تھے۔ مولانا کمالالدین جو رومی کے والد کے مدرسے میں تدریس کراتے تھے ان سے بھی مولانا رومی نے اکتسابِ علم کیا۔ علامہ محمد اقبال آپ کو اپنا معنوی مرشد قرار دیتے ہیں۔ مثنوی مولانا روم اپنی ہر ہر پہلو سے ہر زمانے کی ایک محبوب ترین کتاب رہی ہے۔ آپ کی ذات اپنی وسیع المشربی کی وجہ سے بہت سی جہات سے جانی جاتی ہے۔ آپ ایک عالم، صوفی، واعظ، اور شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ مولانا رومی اپنے دور کے اکابر علما میں شمار ہوتے تھے۔ آپ علومِ فقہ و حدیث پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ مگر آپ کی شہرت کا سبب آپ کی دل آویز شاعری بنی ہے۔ آپ اب ایک صوفی اور تغزل آمیز شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ رومی نے حج کے بعد قونیہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہیں آپ کی ملاقات شمس تبریز سے ہوئی۔ شمس تبریز نے اپنا سب روحانی فیض آپ کو منتقل کیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ مولانا رومی اس کے بعد عموماً ایک استغراق کی سی کیفیت میں رہتے۔ وہ آگ جو ان کے مرشد نے ان کے سینے میں لگادی تھی وہ آپ کو بہت بے قرار رکھتی تھی۔ مولانا رومی اپنے مرشد سے ملاقات سے قبل ہی تصوف اور طریقت کی لذت سے آشنا تھے۔ مرشد کے فیض نے آپ کو مزید جوش بخشا۔ شاہ شمس تبریز

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

تو آپ کے سینے میں ایک آلاو روشن کر کے کسی اور منزل کی طرف روانہ ہو گے مگر مرید صادق نے اپنی اس بے قراری کے اظہار کے لیے اشعار کا سہارا لیا اور یوں دنیا آج مولانا رومی کو ایک باعمل صوفی کے ساتھ ساتھ ایک قادر الکلام شاعر کے طور پر بھی جانتی ہے۔ مرشد کے ساتھ جذباتی تعلق نے آپ کی شاعر میں وہ لذت، سرور، کیف اور لطف پیدا کر دیا جیسے لوگ تغزل کے نام سے جانتے ہیں۔

جلال الدین رومی کے شعری سرمائے میں 3500 غزلیں اور 2000 رباعیات اور دیگر نظمیں موجود ہیں مولانا نے اپنے مرشد کے نام سے اپنے دیوان کر مرتب کیا اور تخلص بھی یہی اختیار کیا۔ دیوانِ رومی میں تمام غزلوں کا مخاطب شمس تبریز ہی ہیں۔ ان میں رومی اپنے مرشد کو اپنا محبوب، ساقی، اور سب دنیا قرار ادے کر کبھی صدقے اور قربان ہو رہے ہیں تو کبھی قرب و وصال کے لیے تڑپتے محسوس ہوتے ہیں۔ اپنے محبوب سے جدائی آپ کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ ایک آہ و فغاں اور فریاد آپ کی غزلیہ شاعری میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ آپ کی غزلوں کے حوالے سے ڈاکٹر ظہور الدین احمد لکھتے ہیں۔

> ''رومی کی کچھ غزلیں ایسی ہیں جن میں تغزل اور رومانی کیفیت کا بھرپور اظہار ہوا ہے۔ شاعر کا محبوب گوشت پوست کا وجود رکھتا ہے۔ وہ اس کا قرب چاہتا ہے، آغوش میں لینا چاہتا ہے، تلذذ کی خاطر دست درازی بھی کرنا چاہتا ہے۔۔ رومی نے ان احوال و کوائف کو بے حجابی اور بے باکی سے بیان کیا ہے جو قرب و وصال کے وقت پیش آتے ہیں۔''۹

ایک اور اہم بات کے رومی کی اکثر شاعری میں ایک تغزل کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اصل میں ان کے سینے میں شاہ شمس تبریز نے جو معرفت کی آگ لگائی تھی اس نے درد میں ڈھل کر مستقل ایک سوز کی سی کیفیت اختیار کر لی۔ یہ سوز جب بھڑکتا تھا تو دل کے اندر سے ہوک اٹھتی تھی جو کہ اثر انگیزی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی غزلوں سے ہٹ کر بھی آپ کے کلام میں ایک روانی، شیرینی اور لطف موجود ہے۔ آپ کی کلام کے چند نمونے درج ذیل ہیں۔

شرابِ شوق می نوشم، بہ گردِ یار می گردم

سخن مستانہ می گویم، ولے ہشیار می گردم

ترجمہ: میں شرابِ شوق نوش کرتا ہوں اور پھر اپنے محبوب کے گرد گھومتا ہوں شراب اگرچہ مجھے مست اور دیوانہ بنا دیتی ہے اور میں مستی میں کلام بھی کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں دوست کا طواف ایسے کرتا ہوں کہ پورے میں پورے ہوش میں ہوتا ہوں۔

گہے خندم، گہے گریم، گہے اُفتم، گہے خیزم

مسیحا در دلم پیدا و من بیمار می گردم

ایک عجیب سی کشمکش میں الجھا عاشق کہتا ہے کہ کبھی تو میں اپنے عشق میں ہنستا ہوں، کبھی روتا ہوں، کبھی گرتا ہوں، کبھی اُٹھ کھڑا ہوتا ہوں، یعنی میں مسلسل ایک چکر میں ہوں۔ اصل میں میرے دل میں ہی میرے علاج کا مسیحا موجود ہے اور میں اس کے گرد چکر لگا رہا ہوں۔

بال و پر ما کمندِ عشق اوست　　مو کشانش می کشد تا کوئے دوست

ترجمہ: میرے محبوب سے عشق وہ کمند ہے جس سے میں بال و پر حاصل کرتا ہوں اور یہ کمند مجھے کھینچ کر اور اڑا کر دوست کے کوچے میں پہنچا دیتی ہے۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق　　تا بگویم شرح دردِ اشتیاق

مولانا رومی کے کلام میں ایک عاشق کا درد، صوفی کی تڑپ اور جذبوں کی کھنک موجود ہے۔ آرزوئے وصال کی بلند آہنگ صدا اور ہجر و فراق کی کسک بھی آپ کے کلام کے اندر رواں نظر آتی ہے۔ آپ نے اپنی عارفانہ کیفیات کو عشق کی آگ میں کندن کر کے ایسے لازوال اشعار کہے ہیں جو دلِ بے تاب کی تمام بے تابیوں کا ہو بہو عکس ہیں۔

فارسی شعرا اپنے فکری، فنی اور موضوعی سرمائے کے لحاظ سے نہ صرف ایران بل کہ جہاں جہاں فارسی سمجھی یا بولی جاتی رہی ہے وہاں پر اپنا ایک معتبر مقام رکھتے ہیں۔ عربی کے بعد فارسی چوں کہ مسلمانوں کی زبان کے طور پر جانی جاتی رہی ہے یہی وجہ ہے کہ برِ صغیر سے لے کر بلخ، ثمر کند، بخارا تک اس زبان میں اہلِ فن نے اپنے فن

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

اور ہنر کا اظہار بغیر کسی تعصب اور غیریت کے کیا ہے۔ ہم اسی لیے فارسی کو سبکِ خراسانی، سبکِ عراقی اور سبکِ ہندی وغیرہ میں تقسیم کر کے مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ فارسی ادب کے اس وسیع طول وارض میں علاقوں کی نسبت اور مزاجوں کا رنگ، الگ الگ اپنی بہار دکھاتا ہے۔ اگرچہ یہ سب علاقے اپنی نوعیت میں علاحدہ نوعیت کے حامل تھے مگر ان کے حکمران عموماً ایک ہی ہوتے تھے اس لیے ان میں کہیں کہیں مماثلت اور یگانگت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ مماثلت ایک چین تشکیل دیتی ہے جو فارسی ادب کو ایک وحدت میں ڈھال دیتی ہے۔

فارسی ادبِ شعری میں بے شمار موضوعات اور اصناف موجود ہیں اور اہلِ قلم نے ان کو خوب نہایا بھی ہے مگر فارسی غزل ان اصناف میں اس لیے اہم ہے کہ اس نے برصغیر میں مقامی زبان اردو کے مزاج پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ غزل کا لفظ بھی فارسی ہی کی دین ہے۔ اس کے اندر جو مضامین بیان ہوتے رہے ہیں ان میں فلسفہ، تصوف، عشق خواہ حقیقی ہو یا مجازی، ہجر و فراق کی داستان وغیرہ شامل ہیں۔ غزل اپنے مزاج میں ایک ایسی صنف ہے جو کسی کے جذبات واحساسات کو بہت گنجائش کے ساتھ اپنے اندر سمو لیتی ہے اور پھر ان کو ایک پر لطف طریقے سے بیان بھی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اندر جذب و مستی، کیف و سرور، عشق و محبت وغیرہ کے جذبے نہایت فراوانی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ غزل کی اس تاثیر نے دیگر اصنافِ شعری کو بھی اپنے اس مزاج میں رنگنے کی کوشش کی ہے۔ غزل جو خود کبھی قصیدے کا ابتدائی رنگیں حصہ ہوتی تھی آج اپنے تغزل اور رنگینیٔ بیاں کی وجہ سے ہر دل عزیز جانی جاتی ہے۔ درج بالا منتخب شعرا کے رنگِ تغزل سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شاعری میں ہر وہ ہنر موجود ہے جس کو ہم تغزل کی صطلاح سے جانتے ہیں، حسنِ بیان، منظر نگاری، سراپا نگاری، وارداتِ قلب کا بیان، دھیمی دھیمی تپشِ عشق، بے قراری، سرمستی، رومانس، چھیڑ چھاڑ، رمز و ایما، دل کشی، وغیرہ بہت کثرت سے فارسی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر ہم کہ سکتے ہیں کہ دورِ قدیم سے فارسی شاعری میں تغزل کی روایت نہایت شاندار طریقے سے چلی آرہی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ انور جمال، پروفیسر، تصنیف ''ادبی اصطلاحات'' مطبوعہ ''نیشنل بک فاؤنڈیشن''، اسلام آباد، اشاعتِ چہارم مارچ، ۲۰۱۷ء، ص ۷۹، ۸۰

۲۔ شبلی نعمانی، شعر العجم (جلد سوم)، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (طبع ششم) ۲۰۰۲ء، ص ۱۷

۳۔ ضیا احمد بدایونی، (مرتبہ) دیوانِ مومن مع شرح، حکیم مومن خاں مومن، شانتی پریس، الہ آباد طبع چہارم، ۱۹۶۲، ص ۵۱

۴۔ اشعر نجمی مدیر، میگزین اردو کیمپس، ممبئی، شمارہ، ۲۰۱۱ء ص: ۲

۵۔ صدیق خان، ڈاکٹر۔ (مرتب) دیوانِ بو علی قلندر از بو علی قلندر، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۵ء ص ۱۱

۶۔ ظہور الدین احمد، ڈاکٹر، ایرانی ادب، مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد ۱۹۹۴ء، ص ۱۷۵

۷۔ آزرمی دخت صفوی، پروفیسر، (مضمون)، طوطی ہند خسرو دہلوی، مشمولہ، فکر و نظر فارسی نمبر، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، جولائی ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۰۹

۹۔ ظہور الدین احمد، ڈاکٹر، ایرانی ادب، مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، ص ۱۵۷